جمع عثمانی کی حقیقت

سب سے زیادہ حضرت عثمان کے متعلق شہرت دی گئی کہ وہ جامع قرآن ہیں لیکن یہ بھی بالکل غلط ہے۔ جمع عثمانی کی حقیقت یہ ہے کہ رسم تحریر سب کا جدا تھا جس کی وجہ سے قرائتیں مختلف ہوگئیں تھیں حضرت عثمان نے یہ کیا کہ سب کو ایک رسم خط اور ایک ہی قرأۃ پر جمع کر دیا جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ہو جمع الناس علی قراءۃ واحدۃ لئلا یختلفوا فی القراٰن فضائل القراٰن مطبوعہ مصر ص۳۲)

صحیح بخاری میں ہے حضرت عثمان نے زید بن ثابت اور چند کاتبوں کو بلوا کر حضرت حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ والا قرآن بھیجدو تاکہ اس کی متعدد نقلیں کرائی جائیں۔ چنانچہ حضرت زید اور دیگر کاتبوں نے کئی نسخے لکھے۔ جب نقلیں ہو چکیں تو حضرت عثمان نے ان کو اطراف و جوانب میں بھجوا دیا (دیکھئے فتح الباری ص۱۴) ہذا ما ظہر عندی واللہ اعلم بالصواب۔

فطرت

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب مولوی حافظ عبداللہ صاحب عقیل مئوی خطیب جامع کوچین مٹاچری)

آپ نے اس پر شاید کبھی غور نہیں کیا کہ قبل بلوغ بچہ معصوم، بھولا، بیگناہ، صداقت کا پتلا، معذور اور غیر مکلف کیوں قرار دیا گیا ہے؟

ہاں ہاں اسی لئے اور محض اسی لئے تو کہ بلوغت تک اس میں "فطرت" کی بہتات، صداقت کی فراوانی، معصومیت کی کثرت بھولے پن کی زیادتی اور پاکیزگی دل و دماغ کی عدیم المثالی ہوتی ہے۔ جوں جوں بچہ بڑھتا ہے "فطرت" گھٹتی ہے، اس ایک غریب "فطرت" کے ہزاروں جانی دشمن پیدا ہو جاتے ہیں۔ چالاکی، عیاری، ہوشیاری، تجربہ کاری، دغا و چالبازی، منافقت و کذب گوئی۔ حسد و کینہ جوئی، مصلحت و خود غرضی۔ مطلب و نفس پرستی، بددینی و بے ایمانی وغیرہ وغیرہ تمام متفقہ طور پر اس بیچاری کمسن اور بے یار و مددگار "فطرت" پر چھاپہ ڈالتے ہیں۔ شبخون کرتے ہیں، بم چھوڑتے ہیں، گن لگاتے ہیں، زہریلی گیس برساتے ہیں۔ اور جو جو نہیں کرنا وہ بھی کرتے ہیں حتیٰ کہ اسے قطعاً فنا، برباد، ہلاک اور نیست و نابود ہی کر کے چھوڑتے ہیں۔ اور اب بچہ والدین کی نظروں میں، اپنے بیگانے کی نگاہوں میں، دوست احباب کی گروہوں میں، رشتہ دار و قرابت مندوں کے گھرانوں میں کامیاب، فائز المرام اور فیروز مند گنا جاتا ہے اسے جوانی کی مبارکبادیں دیجاتی ہیں نئے منزل میں قدم رکھنے کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ ہاں ہاں اس کی بربادی کو آبادی اور اس کی فارغ البالی کو بیکاری سے موسوم کیا جاتا ہے جس پر "فطرت" ہنسی اور مذاق اڑاتی ہے۔ کبھی کبھی نوجوان کے کان میں آہستہ سے بطور ہمدردی کہہ بھی جاتی ہے کہ ؎

تم تو نادان ہی اچھے تھے کہ کچھ فکر نہ تھی ✣ بڑی الجھن میں ہو جس دن سے سمجھ آئی ہے

لیکن نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

کیا آپ روزانہ خود دیکھتے اور سنتے نہیں ہیں کہ ایک دکاندار کا لڑکا قبل بلوغت جب دکان پر بیٹھتا ہے تو کتنے دھکّے کھاتا ہے؟ کتنا نقصان اٹھاتا ہے؟ کتنا خود گرہ سے مال کھوتا اور بجائے نفع ٹوٹے میں پڑ جاتا ہے؟

ایک گاہک آتا ہے ایک سودے کا دام پوچھتا ہے۔ لڑکا معمول کے مطابق ٹھیک ٹھیک دام بتلا دیتا ہے گاہک چالاک ہے اور اپنی فطرت قطعاً کھو چکا ہے لیکن لڑکے کی "فطرت" سلیمہ سے ناجائز فائدہ اٹھانیکو تیار ہو جاتا ہے۔ دریافت کرتا ہے" تمہاری دکان کا قاعدہ فی روپیہ کتنا نفع رکھنے کا ہے۔

بچہ کی "فطرت" مستقیمہ جھوٹ بولنے کی تو قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ آخر وہ ذرا پس و پیش کرتا۔ نیچے اوپر دیکھتا، گاہک سے نظر دو چار ہوتے ہی "فطرت" ہمدردی و صداقت پر مجبور کرتی ہے لاچار لڑکا بول اٹھتا ہے اباجان نے تو فی روپیہ ۴ر نفع کا اصول رکھا ہے۔ گاہک موقع غنیمت جانکر بچہ کی صداقت سے خود نفع اٹھاتا اور بچہ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے، بار بار دانتوں کے نیچے انگلی دابکر نفع کی زیادتی پر ظاہری تعجب کا اظہار کر کے بچہ کو مرعوب کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیجک دیکھکر فی روپیہ ۲ر کے نفع پر سودا کر کے گاہک چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔

جب لڑکے کا باپ دوکان پر پہنچکر یہ خبر سنتا ہے تو آگ بگولہ ہو جاتا ہے، بچہ کی اس حماقت، نادانی، بیوقوفی اور بھولے پن نہیں نہیں "فطرت" مستقیمہ پر دست تاسف ملتا ہوا سر پکڑ کے بیٹھ جاتا ہے، جی تو چاہتا ہے کہ بچہ کا گلا گھونٹ کر خاتمہ ہی کر ڈالے لیکن اپنا بچہ ہے، مامتا جوش مارتی ہے۔ آتشِ غضب پر شفقت پدری آب پاشی کرتی ہے، یکایک دل نرم ہوتا ہے۔ جی بھر آتا ہے اور بچہ کو پیار سے گود میں اٹھا کر گلے لگا لیتا ہے۔ پھر اس اپنے معصوم بچے اور لخت جگر کو سمجھاتا نہیں نہیں بلکہ اس کی "فطرت" سلیمہ کو یوں اُلٹی چھری سے پوری بیدردی کے ساتھ ذبح کرنا شروع کرتا ہے۔

بیٹا! یہ دکان کا اصول نہیں ہے کہ اپنا نفع گاہکوں کو بتلا دیا جاوے، بیجک دکھلا دی جاوے، اسقدر مختصر نفع پر مال بیچا جاوے۔ اگر ایسا کیا جاوے گا تو آجکل کے زمانہ میں دیوالہ نکل جائیگا وغیرہ (بچہ) کیا کروں اباجان! وہ تو کسی طرح انتاہی نہ تھا خواہ مخواہ کہے کہ بیجک دکھلاؤ۔ وغیرہ (ابا) تو تم نے کیوں نہیں کہدیا کہ بیجک ابا نے رکھی ہے مجھے نہیں معلوم کہاں ہے، بس فرصت تھی۔ (بچہ) مگر اباجان! مجھے تو معلوم تھی، میں نے تو آپ کو رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لئے تو میں نے نکال کے دکھلا دی، پھر بھلا میں جھوٹ بولکر خدا کا گنہگار اور آپ کا نافرمان کیونکر بنتا۔ آپ بھی تو ہمیشہ تاکید کرتے رہتے ہیں کہ خبردار کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ کسی سے دغا فریب اور چالبازی نہ کرنا۔ اور اماں جان بھی ایسے ہی ہمیشہ کہتی رہتی ہیں۔ اور ہمارے میانجی تو اتنا ڈراتے دھمکاتے اور جھوٹ کی برائی میں ایسا ایسا قصہ سناتے ہیں کہ میں تو اباجان! کبھی کبھی رونے لگتا ہوں۔ اباجان ایک مرتبہ خالہ جان کا ممتاز میانجی سے ایک ہی بات جھوٹ بولا تھا تو میانجی نے اسے اُلٹے جوتہ پر تھوکا کے چٹایا تھا اور کان پکڑوا کے سب لڑکوں کے سامنے توبہ بھی کروائی، اسی روز سے میں نے بھی جھوٹ بولنے سے دل ہی دل میں توبہ کر لی ہے (شاد باش "فطرت")

(ابا) بات تو سچ ہے لیکن بیٹا! دکانداری تو بغیر جھوٹ کے چل ہی نہیں سکتی . . . . . . وغیرہ۔ (بچہ) تو اباجان! آپ دکانداری مت کیجئے، آپ بھی میانجی کی طرح بچوں کو پڑھائیے، سارے لڑکے ہمارے سائبان میں بیٹھکر پڑھیں گے، اباجان! آپ کو بڑا ثواب بھی ہوگا اور سارے لڑکے پیسے بھی دیں گے۔ ورنہ دکانداری میں جب آپ کو بھی جھوٹ بولنا پڑیگا تو اللہ میاں بڑا عذاب کریں گے اور

آپ جب جھوٹ بولیں گے تو پھر مسلمان کیسے رہیں گے؟ اماں جان تو کہتی تھیں کہ جو پکا مسلمان ہوتا ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ (ابا) بیٹا! تم ابھی بچے ہو، ابھی یہ سب باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آوینگی آگے چلکر خود بخود سمجھ میں آنے لگیں گی۔ (بچہ) تو کیا اباجان! آپ دکانداری نہیں چھوڑیں گے؟ اور کیا آپ بھی جھوٹ بولیں گے؟ وغیرہ

سبحان، کیا "فطرت" ہے کہ ابھی تک باپ کے جھوٹ بولنے کا شبہ تک نہیں، جو اپنی فطرت قطعًا فنا کر چکا ہے اور روزانہ سینکڑوں جھوٹ بے دریغ بولتا ہے بلکہ اس کے بیان صدق وکذب میں کوئی امتیاز وفرق ہی نہیں، اس کے نزدیک سچا آدمی بدھو ہے۔ وہ صاف گو کو احمق وناتجربہ کار سمجھتا ہے، اس کے خیال میں جتنا ہی جوچالبازی کرے گا وہ تجارت میں کامیاب ہوگا۔ اور ضرورت کے وقت مکروفریب اور عیاری ودغابازی کو نہ صرف جائز بلکہ واجب وضروری اور فرض تک کہدینے میں مطلق پس وپیش اور خوف خدا نہیں کرتا ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف + از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت ست

ایسے باپ کے بیٹے کی فطرت بھی وہی ہے جو ایک صداقت شعار اور نیکوکردار باپ کے بیٹے کی ہوسکتی ہے یا ہونی چاہئے، کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

الغرض کونین کے محفل کی زینت ہیں تو یہ + حوض کوثر ہیں تو یہ تسنیم جنت ہیں تو یہ

لیکن آہ یہی 'محفل کونین کی زینت' یہی 'حوض کوثر' یہی 'تسنیم جنت' اور یہی 'فطرت' کے پتلے وعقل سلیم کے مجسمے دس بیس برس اور سو پچاس سال میں نہیں، بلکہ چند گنتی کے دنوں میں اپنے ماحول کے اثرات جراثیمیہ سے متاثر ہوتے ہیں اور طرفۃ العین وچشم زدن میں فلک الافلاک سے تحت الثریٰ میں پہنچتے ہیں، نہ صرف باپ کے سچے جانشین بنتے بلکہ باپ سے بھی سو قدم 'فطرت' کو کچلتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں، کل یہی صداقت کے سرچشمہ تھے لیکن آج ضلالت کے منبع ہورہے ہیں، کل یہی 'فطرت' کے پتلے تھے مگر آج بدطینتی کے مجسمے ہیں، کل یہی نیکوکاری کے مخزن تھے لیکن آج بدکاری کے کان کہے جارہے ہیں۔ کل ان کو دیکھنے والے سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہتے تھے مگر وہی آج ان کو دیکھکر استغفر اللہ اور نعوذ باللہ کہنے پر مجبور ہیں، کوئی انگشت حیرت دنداں تعجب کے نیچے داب کر ع پدر نتواند پسر تمام کند، کہتا ہے تو کوئی گروگڑ ہی رہے اور چیلا چینی ہوگئے، پکار اٹھتا ہے ؎

جواں ہوئے تو اور قیامت ہوئی خدا کی پناہ + وہ جب ہی فتنہ تھے جب عالم شباب نہ تھا

کیا اس قسم کی تبدیلی 'فطرت' کے بیشمار واقعات روزانہ آٹھوں پہر ہماری نظروں کے سامنے نہیں گذرتے رہتے؟ کیا فطرت کا انمول خزانہ ہر وقت ہر آن ہر لحظہ اور ہر منٹ وہر سکنڈ ہم اپنی آنکھوں سے لٹتا ہوا نہیں دیکھتے؟ کیا ہمارا، آپ کا، انکا اُنکا بلکہ ساری دنیا کا فطرتی سرمایہ بلوغت کی سرحد پر پہنچنے کے بعد کافی اور کثیر مقدار میں فنا نہیں ہوجاتا؟ کیا یہ واقعات مشاہدات، چشم دید حالات اور خود اپنے بیتے سانحات جھٹلائے جاسکتے ہیں؟ کیا کوئی دنیا کا بڑا سے بڑا فلاسفر آفتاب پر خاک ڈالکر دنیا کو تاریک کرسکتا ہے؟

نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ غیر ممکن ہے کہ ساری دنیا یکلخت اندھی ہوجائے اور تمام عالم حقیقت واصلیت اور واقفیت سے دست بردار ہوجائے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض جہل مرکب کے مریض جو بدقسمتی سے جہل ہی کو علم اور علم کو جہالت سمجھتے ہیں،

تحقیق کو تقلید اور تقلید کو تحقیق جانتے ہیں، کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہتے ہیں، مومن کو ملحد اور ملحد کو مومن بتلاتے ہیں۔ وہ اس پھندہ میں پھنس سکتے ہیں کیونکہ ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند + درجہل مرکب ابدالدہر بماند

بہرکیف، میرا دعویٰ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان بھی اپنی فطرت کو ماحول کے اثرات سے نہ محفوظ رکھ سکا اور نہ ہی رکھ سکتا ہے، عوام تو خیر عوام کالانعام ہی ہیں، ان کی کیا حقیقت وہستی ہے، یہ بھلا کس کھیت کے مولی ہیں جبکہ خود خاص ہستیاں اس سے مستثنیٰ نہیں، بڑے سے بڑا عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، عالم، محدث، فقیہ، امام، پیر، مرشد، ولی، شہید، غوث، قطب ابدال وقت اور اصحاب رسول کریم بلکہ خود سرور کائنات فخر موجودات، سردار دو عالم رسول اکرم، سید المرسلین، شفیع المذنبین علیہ التحیۃ والتسلیم فداہ ابی وامی بھی اپنی 'فطرت' کی محافظت ونگہبانی نہ فرما سکے تو پھر ایرے غیرے نتھو غیرے اور ما وشما کی کیا حقیقت وہستی ہے۔

ہاں ہاں وہ ذات اقدس وہستی مقدس اور اشرف المخلوقات جس کی حقیقی شان یہ ہے کہ ؎

مَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ + بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسی زبردست 'فطرت' کا حامل صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے موقعہ پر منافقوں کی چاپلوسی، عیاری، چالبازی، مکر ومنافقت اور دغا فریب کے پھندے میں آجاتا ہے اور ان کی معذرت کاذبہ کو قبول فرما کر انھیں رخصت دیدیتا ہے جو منشائے الٰہی کے صریحًا خلاف پڑتا ہے چنانچہ آیت نازل ہوتی ہے۔

(۱) عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ (پ۱۰ سورہ توبہ رکوع۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف تو کر دیا لیکن آپ نے ان کو اجازت کیوں دی حتی کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوجاتے اور جھوٹوں کو آپ معلوم نہ کر لیتے۔" خیال فرمایئے منشائے الٰہی یہ تھا کہ منافقوں کو اس وقت تک رخصت نہ دیجاتی جب تک کہ واقعی اُن کی دلی بات اور اصلی سبب جو جنگ میں نہ شریک ہونیکا تھا ظاہر نہ ہوجاتا مگر حضورؐ نے ان کے زبانی بیان اور ظاہری عذر پر جو کہ قطعًا غلط تھا، اپنی نیک مزاجی اور رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کی بنا پر انھیں معذور سمجھکر رخصت دیدی جو فطرت مستقیمہ اور منشائے الٰہی کے خلاف پڑا۔ (فافہم وتدبر)

(۲) دوسری مثال سنئے، یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (پ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۱) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اسے آپ اپنی بی بیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیوں حرام کرتے ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آیت مذکورہ بالا سے صاف طور پر واضح ہے کہ کوئی خدا کی حلال کردہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اپنی بیبیوں کی خاطرداری سے حرام کرلی تھی (خواہ وہ حضرت ماریہؓ ہوں یا شہد ہو یا کوئی اور ہی چیز کیوں نہ ہو، ہے تو کچھ ضرور) خواہ وہ حرمت شرعی مذہبی اور دینی نہ سہی، طبعی ہی سہی لیکن منشائے الٰہی کے خلاف اور فطرت مستقیمہ کے ناموافق تو ضرور تھی، ورنہ باری تعالیٰ تنبیہ کیوں فرماتا (فافہم وتدبر)۔

(۳) تیسری مثال ملاحظہ ہو۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی (پ ۳۰ سورہ عبس رکوع ۱) یعنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ترشرو ہوئے اور اعراض کیا، اسبات سے کہ ان کے پاس اندھا (رضی اللہ عنہ) آیا۔ اور کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا۔ پس اس کو نصیحت فائدہ دیتی، ہاں جو شخص لاپرواہی کرتا ہے آپ اس کے پیچھے تو لگے رہتے ہیں حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو بھی آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص خود آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے اس سے آپ بے التفاتی کرتے ہیں۔

دوستو! واقعات وحقیقت اصلیہ کو سامنے رکھکر آنکھ سے ضد وتعصب اور بیجا حمایت کی پٹی کھولکر ذرا عینک انصاف لگا کر دیکھو، ٹھنڈے دل سے غور کرو اور سر بگریباں ہو کر سوچو کہ جب اس بلند فطرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فطرت کی یہ حالت ہے جس سے بلند فطرت، مخلوق نہ آجتک پیدا ہوئی اور نہ تا قیامت پیدا ہوسکتی ہے۔ ہاں ہاں یہ اس ارفع الفطرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے واقعات ہیں جس کے فطرت کی نگہبانی حفاظت دیکھ بھال اور تربیت وپرداخت خود خدائے قدوس کی نگرانی میں اس کے مقربین فرشتے کرتے تھے۔ جس کے اندر صفات ملکوتیہ اسقدر وافر اور افراط کیساتھ ہیں کہ کسی دوسرے انسان بالخصوص اس کے افراد امت کے اندر تو اس کا عشر عشیر اور پاسنگ بھی نہیں۔ جس کا خود اپنا بیان ہے کہ میرا ہمکا نیکا بھی خود میرا تابع ومطیع ہوگیا ہے۔ وہ اگرچہ انسان ہے لیکن معمولی انسان نہیں بلکہ کامل ومکمل انسان اور خدا کی تمام مخلوق سے ارفع واعلیٰ اور اشرف ہستی ہے حقیقت اصلیہ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ؎

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَمَا اَتَیْنَ بِمِثْلِهٖ + وَلَقَدْ اَتٰی فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهٖ

مہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ + نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

باایں ہمہ صفات غیر محدودہ خود آئینہ قرآنی میں آپ نے اس ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فطرت دیکھی اور کماحقہ مکرر سہ کرر دیکھی جو یقیناً دانشمندوں کے لئے نہ صرف کافی بلکہ وافی اور تشفی بخش ہے ع دانشمنداں را اشارہ کافیست۔ لیکن اگر آپ کو اتنے پر بھی تسکین نہ ہوئی ہو تو سورہ آل عمران رکوع ۱۳ دیکھئے۔ سورہ نساء رکوع ۴ پڑھئے۔ سورہ انعام رکوع ۴ اور ۶ کا مطالعہ کیجئے۔ سورہ انفال رکوع ۹ کی تلاوت کیجئے۔ سورہ توبہ رکوع ۱۱ کو سامنے رکھئے۔ سورہ نحل رکوع ۱۶ کو دہرائیے۔ سورہ احزاب رکوع ۵ کو سمجھئے۔ ہاں ہاں باوجود ان تمام واقعات کے وہ محبوب خدا اور مقبول بارگاہ (صلی اللہ علیہ وسلم) معصوم اور بے گناہ بھی تھا۔ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کی بشارت کے باعث وہ بے عیب اور پاک وصاف بھی تھا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست + تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شاید آپ جلدی میں بول اٹھیں کہ پھر ان واقعات مذکورہ سابقہ کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صدور کیوں ہوا۔ کیا فرشتوں کی حفاظت اور خداوند عالم کی نگہبانی کافی اور کامل ومکمل نہ تھی؟ کیا خداوند قدوس ان لغزشوں سے آپ کو بچا نہیں سکتا تھا؟ کیا آپ کی فطرت مستقیمہ ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں رکھی جاسکتی تھی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند قدوس اور ملائکہ مقربین کے زیر نگرانی

ہونے کے باوجود بھی آپ سے مذکورہ بالا زلات کا صدور ہوا؟ جس کا شاہد خود قرآن کریم ہی ہے ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو + سوزنِ تدبیر ساری عمر گرسیتی رہے

دراصل بات یہ ہے کہ یہی سب مواقعات ہیں جہاں پر عقل انسانی دم نہیں مار سکتی۔ یہاں پر پہنچکر انسان واقعی عاجز و درماندہ ہوکر کہہ اٹھتا ہے کہ " خدا کی حکمت خدا ہی جانے" بلا ریب انسان کی عقل میں یہ طاقت وقوت نہیں ہے کہ رموز و اسرار خداوندی اور حکمتہائے الٰہی کے تہ خانوں میں اُدھیڑبن کرسکے، اس کے کُنہ وحقیقت تک پہنچ سکے یا اس کے کارخانہ قدرت میں انگشت نمائی کرسکے۔ کیونکہ کارخانہ قدرت کا اصول ہمارے اصول سے نرالا، اس کا قاعدہ و دستور ہمارے قاعدہ و دستور سے ارفع واعلیٰ اور ہماری فہم و فراست سے یقیناً بالا ہے، غیر ممکن ہے کہ ہم اس کو کماحقہ سمجھ سکیں۔

البتہ بعض باتوں کی ظاہری وجہ بسا اوقات سمجھ میں آتی ہے جو بظاہر بہت مناسب بلکہ انسب معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً خداوند علام الغیوب کو تو یہ خوب معلوم تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ بعض نام نہاد مسلمان "بدنام کنندۂ اسلام" کتاب وسنت اور خدا و رسول کو چھوڑ کر "فطرت" پرستی کے نام سے خواہش پرستی اور عقل پرستی کے پردہ میں نفس پرستی کرنے سے قطعاً باز نہیں آویں گے اپنی عقل کو نہ صرف فرمانِ رسول بلکہ خود فرمان خدا سے بھی ارفع واعلیٰ اور معصوم عن الخطا بتلادیں گے اور اس کے ثبوت میں زمین و آسمان کے قُلابے ملانے کو تیار ہوجاویں گے، وہ صاف اور صریح الفاظ میں کہیں گے کہ ہماری عقل ہی ہر چیز کیلئے کسوٹی ہے خواہ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا باری تعالیٰ نے اس کی تردید اور مکمل ومدلل تکذیب خود اسوۂ حسنہ اور "فطرت" نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے کرکے دکھلادی کہ دیکھو خود "فطرت" رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب یہ کیفیت ہے تو اور کسی کی کیا حقیقت وہستی ہے جو اپنی فطرت اپنی عقل اور اپنی فہم وفراست کی آڑ میں ہوا و ہوس کی پوجا کو حق کہہ سکے۔ لیکن درحقیقت ان باتوں کو سمجھنے کے لئے صرف عقل کی ہی نہیں بلکہ ایمان کی بھی ضرورت ہے۔ خداوند کریم مسلمانوں کو سمجھ عنایت فرمائے کہ وہ شرک واسلام میں تمیز کریں، انسان پرستی اور خدا پرستی کا فرق سمجھ سکیں، ایک دن مرنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اس دن کو پیش نظر رکھیں جس دن بجز اپنے اعمال نیک اور خدا پرستی واتباع رسولؐ کے کوئی دوسری چیز قطعاً کام آنیوالی نہیں ؎

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو + اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم + روزگارے دریں بسر بُردیم

گر نیاید بگوش رغبت کس + بر رسولاں بلاغ باشد وبس

فقط والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

اعلان۔ (۱) محدث کے لئے ہمیشہ ٹکٹوں کے بجائے منی آڈر بھیجا کریں۔

(۲) منی آڈر کی کوپن پر بھی اپنا نمبر خریداری یا پورا پتہ اردو ہو یا انگریزی صاف صاف ضرور لکھا کریں۔

(۳) بعض حضرات بجائے خریداری نمبر کے رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۰۳۲ لکھدیا کرتے ہیں جو بالکل بیکار ہے یہ نہ لکھا جائے۔

(۴) جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں ورنہ جواب کی امید نہ رکھیں۔ (منیجر)